جی چاہتا ہے نقشِ قدم چومتے چلیں

شیخ احمد یاسینؒ

خان یاسر

امی، ابّی اور دادا کے نام

جن سے میں نے سیکھا کہ
عظیم شخصیات
آسمان سے نہیں اترتیں
بلکہ
زمین پر پیدا ہوتی ہیں،
زمین سے وابستہ ہوتی ہیں؛
اور یہ کہ
ہر بچہ
اگر چاہے
تو 'بڑا' آدمی بن سکتا ہے...

جو یقین رکھتا ہے شہادت پر، کیا اسے کوئی مار سکتا ہے؟
قتل ہونے میں جیت ہو جس کی، وہ بھلا کیسے ہار سکتا ہے؟

"میں جیل کی زندگی کو مختلف مراحل میں سے ایک اہم مرحلہ سمجھتا ہوں، اس میں انسان اپنے ایمان کو مضبوط اور روحانی غذا کے حصول کا سامان پاتا ہے۔ جیل میں جب انسان کا تعلق اپنے اللہ کے ساتھ جڑ جاتا ہے تو جیل کی تنگ کوٹھری وسیع چمن میں بدلی دکھائی دیتی ہے، انسان عبادت کا صحیح لطف محسوس کرتا ہے۔ مجھے اپنی عبادت میں اب وہ مزہ محسوس نہیں ہوتا جو جیل میں محسوس ہوتا تھا۔ میں جیل میں اپنی ایک ایک نماز میں دو دو پارے تلاوت کرلیا کرتا تھا۔ جیل میں وہ روحانی لطف محسوس ہوتا ہے جسے صرف وہی شخص محسوس کرسکتا ہے جس نے کبھی تنہائی میں اپنے خالق سے دل کی بات کی ہو۔ ہمارے اسلاف کہا کرتے تھے کہ "میری قید اپنے پروردگار سے مناجات، میری ملک بدری میرے لیے سیاحت اور میرا قتل ہوجانا شہادت ہے۔"

ہم جیل میں بھی دنیا کے تمام واقعات سے آگاہ رہتے تھے، ہمیں جب حالات بگڑے ہوئے دکھائی دیتے تب بھی اللہ پر ہمارا یہ یقین رہتا کہ آخر کار ان حالات کو ٹھیک ہونا ہے، جیسے قطب نما کی سوئیاں اپنی جگہ سے ہل بھی جائیں تو آخر کار انھیں اپنی اصل جگہ پر واپس آجانا ہوتا ہے۔ ہم جیل کے اندر سے بھی اپنے بھائیوں تک اپنے خیالات پہنچانے کا سامان کرلیتے تھے۔ اللہ پر ہمارے اسی بھروسے اور اسی باہم مشورے نے ہماری تحریک کو قوت عطا کی ہے کہ حماس دس سال کے اندر اندر اتنی کامیابیاں حاصل کرچکی ہے جو دوسرے لوگ طویل مدت میں بھی حاصل نہیں کرسکتے۔ یہ صرف اور صرف اللہ کے فضل کا نتیجہ ہے۔"[۴۵]

(شیخ احمد یاسین)

شیخ احمد یاسین

یتیمی، غربت، وہیل چیئر: احمد یاسین کی پیدائش 1938 میں غزہ شہر کے جنوب میں جورہ نامی ایک گاؤں میں ہوئی۔ ابھی تین سال کے بھی نہیں ہوئے تھے کہ والد بزرگوار ملکِ عدم سدھار گئے۔ 1948 میں اسرائیلی ریاست کے ناجائز قیام کے بعد ان کے مکمل خاندان کو غزہ میں پناہ گزیں ہونا پڑا۔ یہیں کے الشاطئ کیمپ میں انھوں نے اپنی زندگی کے ابتدائی پچیس سال گزارے۔ انتہائی عسرت کی حالت میں آپ نے، ہجرت سے قبل اور بعد میں، متعدد اسکولوں میں تعلیم حاصل کی لیکن 1958 میں سیکنڈری اسکول سے فارغ ہونے کے بعد حالات کی نزاکت کو مدنظر رکھتے ہوئے آگے تعلیمی سلسلہ جاری نہ رکھ سکے۔ اس کمی کو انھوں نے مختلف افکار و خیالات کی کتابوں کے مطالعے سے پورا کیا۔ 1959 کی بات ہے کہ احمد یاسین، اخوان المسلمون کے منعقدہ ایک کیمپ میں جسمانی ورزش کے دوران ایک حادثہ کا شکار ہوگئے۔ ہوا یہ کہ چٹان کے اوپر سے ریت پر چھلانگ لگاتے ہوئے احمد سر کے بل گر پڑے، گردن کی ہڈیاں ایک دوسرے میں خلط ملط ہوگئیں۔ ریڑھ کی ہڈی غیر معمولی دباؤ کی وجہ سے متاثر ہوئی اور پورا جسم جزوی طور پر فالج زدہ ہوگیا۔ اب آپ بمشکل جھک کر، پیر کی انگلیوں کے بل، پاؤں گھسیٹ گھسیٹ کر چل پاتے کیونکہ پیر اٹھاتے ہی جسمانی توازن ختم ہوجاتا تھا اور آپ گر پڑتے تھے۔ حادثے کے اثر سے ہاتھوں کی ہڈیاں، انگلیاں اور ہتھیلیاں بھی ٹیڑھی میڑھی ہوگئی تھیں لہذا آپ کا کسی چیز کو پکڑنا، لکھنا بلکہ کھانا تک محال ہوگیا تھا۔

شیخ کی جگہ اگر کوئی اور ہوتا تو اس حادثے کے بعد ہمت ہار دیتا لیکن وہ حالات کے آگے گھٹنے ٹیکنے والوں میں سے نہ تھے۔ انھوں نے اپنی طاقت سے کئی گنا زیادہ محنت شروع کی۔ سب سے پہلے آپ معاشی طور پر خود کفیل ہونا چاہتے تھے، معذوری کے باوجود انھیں سماج پر بوجھ بننا گوارا نہ تھا۔ یوں احمد یاسین نے ملازمت کی تلاش شروع کی۔

ملازمت کے لیے معلمی کا میدان ان کے لیے بہترین تھا۔ آپ اسرائیل کے قیام کے بعد فلسطین میں فروغ پا رہے مغرب زدہ ماحول سے سخت تشویش محسوس کرتے؛ نوجوان ذہنوں پر سوشلسٹ خیالات کی یلغار اور اسرائیلی ایجنٹوں کے ذریعے فلسطینی نوجوانوں میں فحاشی، عریانیت اور بے حیائی کی ترویج و اشاعت کو دیکھ کر آپ کا دل کڑھتا تھا۔ انھوں نے سوچا کہ بطور معلم وہ نئی نسل کی تربیت کا فریضہ نبھائیں گے اور ان برائیوں کا حتی المقدور اپنی کوششوں کے ذریعہ استیصال کریں گے۔ لہذا انھوں نے سرکاری اسکول میں معلمی کے لیے درخواست دے دی، اور انٹرویو کے لیے بلائے گئے۔ آپ انٹرویو کے لیے یونہی لنگڑاتے ہوئے چلے، راستے میں کبھی گر پڑتے، کبھی پاؤں ریت میں دھنس جاتے، کبھی جسم ایک طرف کو لٹک جاتا اور راہگیر انھیں سیدھا کرتے... یہ سب ہوتا رہا اور شیخ یاسین چلتے رہے۔ ان کا ایک شناسا انھیں اس حال میں دیکھ کر ان کے پاس آیا اور جب اسے معلوم ہوا کہ آپ معلمی کے لیے انٹرویو دینے جا رہے ہیں تو اس نے کہا آپ کو معلوم ہی ہے کہ معلمی کے انتخاب میں صلاحیتوں سے زیادہ رشوتوں اور سفارشوں کا عمل دخل ہوتا ہے... پھر آپ کی یہ معذوری! آپ بلاوجہ خود کو مشقت میں ڈال رہے ہیں، میری مانئے تو یہیں سے لوٹ جایئے۔ لیکن شیخ یاسین 'یہیں سے' لوٹنے والوں میں سے نہ تھے۔ چلنے کی تکلیف سے ان کے روئیں روئیں میں درد تھا جس کا اثر ان کے چہرے سے عیاں تھا لیکن وہ مسکرا کر بولے: اللہ نے میری روزی وہاں لکھ دی تو کوئی کاٹ نہیں سکتا؛ نہیں لکھی تو کوئی دے نہیں سکتا۔ میں اللہ پر توکل کر کے جا رہا ہوں انشاء اللہ ناکام نہیں لوٹوں گا۔

اور وہ ناکام نہیں لوٹے۔

اس طرح شیخ یاسین نے اپنے کیریئر کا آغاز مدرسۃ الرمال الابتدائیہ کے ایک مدرس کے طور پر کیا۔ شیخ اپنی معذوری کے باوجود بہت جلد مدرسے کے ذہین و عام طلبہ کے ساتھ شریر لڑکوں کے بھی من پسند استاد بن گئے۔ انھوں نے اسٹاف کے دیگر ٹیچروں اور پرنسپل کے ساتھ بھی خوشگوار روابط قائم رکھے اور تو اور طلبہ کے ذریعے ان کے والدین سے رابطہ کیا اور ان سے تعلقات قائم کیے۔ آپ بچوں کو نیکیوں کی تلقین کرتے، برائیوں سے روکتے، نماز کے لیے اپنے ساتھ پوری کلاس کو مسجد لے جاتے، اجتماعی نفل روزوں کا اہتمام کرتے۔ شیخ کی آمد کے بعد والدین اور اساتذہ نے طلبہ کے اخلاق و کردار میں واضح بلندی محسوس کی۔ لوگ اپنے جھگڑوں کا تصفیہ کرانے شیخ احمد یاسین کے پاس آنے لگے۔ اپنے

طلبہ اور آس پڑوس پر شیخ احمد یاسین کا کتنا اثر اور دبدبہ تھا اس کی وضاحت اس بات سے ہوتی ہے کہ ایک مرتبہ شیخ کے کہنے پر چار پڑوسیوں نے اپنی بچیوں کو اسکول کے ایک پروگرام میں رقص کرنے سے منع کر دیا۔ اس 'جرم' پر ان بچیوں کا نام اسکول سے نکال دیا گیا۔ شیخ بچیوں کے والدین اور رشتہ داروں کو لے کر اعلیٰ حکام کے پاس پہنچے اور بچیوں کو اسکول میں واپس نہ لینے پر زبردست احتجاجی مظاہروں کی دھمکی دی۔ اسکول نے بچیوں کو واپس لے لیا۔

اس دوران دھیرے دھیرے شیخ احمد یاسین کا پورا جسم فالج زدہ ہو گیا۔ بعد کی پوری زندگی انھوں نے وہیل چیئر پر بسر کی۔

تحریک کی تعمیر: الغرض شیخ احمد یاسین نے اپنے طلبہ، ان کے والدین اور اپنے ساتھی اساتذہ سے تعمیری و اصلاحی کام کی شروعات کی۔ طلبہ میں اسلام کے تئیں محبت کے جذبات بیدار کیے انھیں صوم وصلوٰۃ کا پابند بنایا انھیں عیار دشمن کی چالوں سے آگاہ کیا... اس طرح فلسطین کی مستقبل کی اسلامی قیادت کو تیار کرنے کا فریضہ انجام دیا۔ لیکن صرف کلاس میں دعوت و اصلاح کے کام کا دائرہ بہت چھوٹا، اور حلقۂ اثر محدود تھا۔ لہٰذا فلسطین کے بگڑتے حالات کے پیش نظر ہر دلعزیز احمد یاسین نے متعدد مساجد سے لوگوں کو خطاب کرنا شروع کیا۔ وہ ایک بلند پایہ خطیب تھے۔ ان کی تقریریں سننے کے لیے لوگ دور دور سے آتے اور ولولے اور امیدوں سے لبریز قلوب کے ساتھ واپس لوٹتے۔ ان مواعظ کے علاوہ، باوجود اپنی معذوری کے انھوں نے معزز شہریوں، اور علماء سے انفرادی ملاقاتیں کیں؛ غزہ بھر کے اسکولوں کو چھان مارا اور چن چن کر ذہین طلبہ سے تعلق پیدا کیا۔ بہت جلد سنجیدہ اور سرگرم طلبہ و نوجوانوں کا ایک ہالہ ان کے گرد جمع ہو گیا، سماج کے ہر طبقے سے باشعور لوگ ان سے قریب ہونے لگے اور دھیرے دھیرے 'کارواں بنتا گیا'۔

1970 میں قبل از وقت ریٹائر ہونے کے بعد آپ نے تحریکی و اصلاحی سرگرمیوں کے لیے خود کو وقف کر دیا۔ غزہ سے آگے بڑھ کر فلسطین کے دیگر شہروں میں دھیرے دھیرے ان کا پیغام پھیلنے لگا۔ جب یہ سرگرمیاں اچھی طرح پھیل گئیں تو انھیں منظم کرنے کے لیے شیخ احمد یاسین نے اپنے ہم خیال رفقاء کے ساتھ مل کر ایک رجسٹرڈ ادارہ قائم کیا۔ اس ادارے کو رجسٹر کرانے کے لیے ایک لمبی قانونی لڑائی لڑنی پڑی۔ اس ادارے نے فلسطین کی تحریک آزادی پر دوررس اثرات ڈالے۔ اس ادارے کے

ذریعے طلبہ کی ذہنی، قلبی وجسمانی تربیت کا انتظام کیا گیا۔ ساتھ ہی ساتھ فلسطین کے غریب، بے گھر و تباہ حال خاندانوں کی رفاہی خدمات کے لیے ایک مستقل نظم قائم کیا گیا۔ اس سینٹر کی کامیابی کے بعد فلسطین کے متعدد شہروں میں اس ادارے کی شاخیں کھولی گئیں۔ اسی ادارے کی طرف سے ذہین طلبہ کو اسکالرشپ دے کر اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے بیرون ملک کی منفرد تعلیم گاہوں میں بھیجا گیا۔ یہ نسل، وطن لوٹ کر، فلسطین کی تحریک آزادی کے لیے ایک اثاثہ ثابت ہوئی۔ یوں تحریک کے لیے مختلف محاذوں پر مختلف ذرائع سے آپ نے رجال کار کی تیاری کا کام انجام دیا۔ غزہ یونیورسٹی کے قیام واستحکام میں بھی آپ کا کردار اہم رہا۔

دھیرے دھیرے مساجد تحریک کا مرکز بن گئیں، خطبات کے ذریعے عوام کو شوق جہاد وشوقِ شہادت سے سرشار کیا گیا، اقتصادی سہارے کے لیے مساجد میں ہی عوامی فنڈ قائم کیے گئے، عورتوں، مردوں اور بچوں کے لیے علاحدہ تربیتی نظم کیا گیا۔ یوں سماج کے ہر طبقے سے، بلاتفریق عمر اور جنس، تحریک کو فعال کیڈر حاصل ہوئے۔ ان کی معذوری کبھی ان کے عزائم کی راہ میں حائل ہونے نہیں پائی۔ وہیل چیئر پر بیٹھے اسی معذور بوڑھے نے 1987 میں اس دور کی ایک عظیم الشان تحریک **حرکۃ المقاومۃ الاسلامی** (حماس) کی داغ بیل ڈالی اور انتہائی نامساعد حالات میں اس کی قیادت کے فرائض انجام دیے۔

آھنی سلاخیں، آھنی عزائم: بھلا باطل شیخ احمد یاسین کے ان کاموں کو ٹھنڈے پیٹوں کیسے برداشت کر لیتا لہٰذا شیخ کو کئی مرتبہ جیل کی ہوا کھانی پڑی لیکن پابند سلاسل ہونے کے باوجود وہ عزیمت کے پہاڑ ثابت ہوئے۔ 1966 میں جب مصر میں **اخوان المسلمون** کی دھر پکڑ شروع ہوئی تو فلسطین میں شیخ احمد یاسین مصر کی حکومت کا تختہ پلٹنے کی سازش کے عجیب وغریب الزام میں گرفتار کر لیے گئے۔ جیل میں ان سے مسجد میں تقریر نہ کرنے کا عہد لے کر چھوڑ دیا گیا لیکن مسجد میں وہ جیسے ہی پہنچے لوگوں نے انھیں گھیر لیا اور انھیں تقریر کرنی ہی پڑی۔ اس پر مصری حکام نے جب انھیں دوبارہ گرفتار کرنے کے احکامات جاری کیے تو سپاہیوں نے احکامات کی بجا آوری سے یہ کہہ کر صاف انکار کر دیا کہ وہ مقامی لوگوں کی گالیاں نہیں سہہ سکتے۔

1984 میں انھیں اسرائیل نے غیر قانونی اسلحہ رکھنے کا الزام لگا کر سلاخوں کے پیچھے دھکیل دیا۔

1985 میں آپ کی رہائی عمل میں آئی۔ 1988 میں اسی الزام کے تحت انھیں پھر زنداں کی کال کوٹھری میں ڈال دیا گیا، اس بار باطل ان کے لیے عمر قید سے کم کسی سزا پر راضی نہ ہوا۔ اس طرح بارہا ان کی آواز کو دبانے کی کوشش کی گئی لیکن قید و ابتلا کے ان نازک ترین لمحات میں بھی شیخ دعوت کے کاز کو نہیں بھولے بلکہ عدالت کا پلیٹ فارم ہو یا جیل میں قیدیوں اور جیلروں سے گفتگو ہر جگہ انھوں نے خندہ پیشانی سے اسلام اور فلسطین پر اپنے موقف کی ٹھنڈے انداز میں وضاحت کر کے حجت تمام کر دینے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی۔ 1997 میں شاہ اردن کی مداخلت پر اسرائیلی ایجنٹوں سے قیدیوں کے تبادلے کے طور پر ہی ان کی رہائی ممکن ہو پائی۔ اس کے بعد بھی وقتاً فوقتاً انھیں ان کے گھر میں نظر بند کیا جاتا رہا۔

شیخ احمد یاسین نے انتہائی سادہ زندگی بسر کی اور عیش و تنعم تو دور اپنی بنیادی ضروریات کی تکمیل تک سے بے پرواہ رہتے۔ یاسر عرفات نے بارہا انھیں نیا گھر بنوا دینے کی پیشکش کی لیکن شیخ نے آخرت کے محلات کو دنیا کے جھونپڑوں پر ترجیح دی اور اس دنیا میں ایک مسافر کی طرح رہے۔

شہادت کی 'زندگی': شیخ کے ہی ایماء پر 1987 سے انتفاضہ ثورۃ المساجد کا آغاز ہوا۔ اسرائیلی ٹینکوں کے سامنے پتھر تھامے معصوم بچوں کو دنیا نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اسی انتفاضہ نے دنیا میں فلسطینی کاز کے تئیں بیداری پیدا کی اور عالمی دباؤ پر اسرائیل کو اوسلو میں معاہدے کی میز پر آنا پڑا۔ لیکن شاطرانہ طور پر اس معاہدے کے ذریعے بھی اس بات کو یقینی بنانے کی کوشش ہوئی کہ فلسطین کے مستقبل میں حماس کا کوئی بنیادی کردار نہ ہو۔ چند بلدیاتی قسم کے اختیارات فلسطین اتھارٹی کو دے دیے گئے۔ یہ 'اختیارات' آزادی کے نام پر بدنما داغ تھے۔ بے اطمینانی روز بروز بڑھتی رہی۔ سازشی اذہان بھی حرکت میں آ چکے تھے۔ ان کا منصوبہ تھا کہ حماس اور فلسطینی اتھارٹی میں ایک طرح کی خانہ جنگی چھیڑ دیں اور دور سے تماشہ دیکھیں۔ پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو کی یہ حکمت عملی سامراج کے لیے کوئی نئی نہیں تھی۔ لیکن شیخ احمد یاسین جیسے بالغ النظر سیاستداں کے سامنے سیاست کی بساط پر یہ گھسی پٹی چالیں اپنی معنویت کھو چکی تھیں۔ شیخ نے اعلان کیا کہ فلسطینی اتھارٹی کے خلاف تنقید کی جائے گی، اختلافات کا اظہار کیا جائے گا لیکن جواباً اگر تشدد کا سامنا ہوا تو اس ظلم و ستم کو یکطرفہ طور پر برداشت کیا جائے گا تاکہ فلسطین کو خانہ جنگی سے بچایا جا سکے۔ اس اعلان نے شیخ یاسین اور حماس کو فلسطین اور اس

کے باہر اخلاقی برتری کے مرتبے پر بھی فائز کر دیا اور سازشیں رچنے والے اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔

مسجد اقصیٰ پر اسرائیلی فوج کے حملے پر اسرائیل کے خلاف لاوا پھٹ پڑا اور اس نے دوسری انتفاضہ کا روپ اختیار کر لیا۔ اس انتفاضہ کا آغاز اپریل 2000 میں ہوا۔ اس بار بھی فلسطینیوں نے اپنے عزائم سے اسرائیل اور اسکے حلیفوں کے دانت کھٹے کر دیے۔ غزہ کے معرکے میں آلات جدیدہ سے لیس اسرائیل کو بے سروسامان فلسطینیوں سے ہزیمت اٹھانی پڑی۔ اسرائیلی فوج کو پسپا ہونا پڑا۔ باطل کے ایوانوں میں کھلبلی مچ گئی۔

اب پانی سر سے اونچا ہو چکا تھا؛ اس خطرناک بوڑھے کو اب مزید برداشت کرنا استعماری طاقتوں کے لیے ممکن نہ تھا۔ وہ بوڑھا جس کی کمر ٹوٹی ہوئی تھی اسے ختم کر کے اسرائیل فلسطینی مزاحمت کی کمر توڑنا چاہتا تھا۔ اور یوں ہائی ٹیک ہتھیاروں سے لیس اسرائیل کی حکومت ایک عاجز و معذور بوڑھے کی جان کے درپے ہوگئی، بار بار قاتلانہ حملے ہوئے۔ 6 ستمبر 2003 کو اسرائیل ائیر فورس کے M-16 جہاز نے شیخ احمد یاسین کے ٹھکانے کا پتہ لگا کر زبردست بمباری کی لیکن معجزانہ طور پر شیخ یاسین بچ گئے۔ اسپتال سے میڈیا کے نام انھوں نے جو بیان جاری کیا اس میں کہا: **تاریخ یہ ثابت کردے گی کہ حماس کی قیادت کو چن چن کر قتل کرنے کی اسرائیلی پالیسی کبھی حماس کو ختم نہیں کر پائے گی۔ ھم شھادت کے متمنی ھیں، ھم موت سے نہیں ڈرتے۔ ھم رھیں یا نہ رھیں، جھاد جاری رھے گا، یہ مزاحمت جاری رھے گی یھاں تک کہ فتح یا شھادت میں سے کوئی ایک منزل نہ آجائے!**

بار بار کے قاتلانہ حملوں کے باوجود شیخ احمد یاسین نے اپنی ذات کے تحفظ کے لیے بنیادی قسم کے انتظامات کرنے سے بھی انکار کر دیا۔ جسے شہادت کی آرزو ہو وہ موت سے کب ڈرا کرتے ہیں؟ انتفاضہ جاری ہی تھی کہ 22 مارچ 2004 کو اسرائیلی درندوں نے پورے جسم سے معذور شیخ احمد یاسین پر فجر کی نماز کے بعد گھر لوٹتے ہوئے AH-64 Apache ہیلی کوپٹر سے یکے بعد دیگرے تین میزائلیں داغ دیں۔ شیخ احمد یاسین کی دیرینہ آرزو پوری ہوگئی... انا للہ و انا الیہ راجعون۔ شہادت سے کچھ دیر قبل ان کے بیٹے نے انھیں آسمان پر جنگی جہاز کی موجودگی کی اطلاع دی تو شہادت کی آرزو سے لبریز شیخ نے فرمایا: میرے بیٹے! میں اسی کا منتظر ہوں!!!

قاتل میزائیلوں نے وہیل چیئر پر سوار ایک تھکے ہوئے بوڑھے کو آرام کی نیند تو دے دی... مگر کیا باطل کی جیت ہوئی؟ نہیں، ہرگز نہیں۔ تحریکیں قائدین کے خون سے سینچی جاتی ہیں شیخ احمد یاسین کی شہادت کے بعد بھی یہی ہوا، فلسطینی تحریکِ آزادی نے اور زور پکڑ لیا۔ ان کی بپا کی ہوئی تحریک پھلتی پھولتی رہی؛ شیخ کے انتقام کے لیے فلسطین کے متعدد جہادی گروہوں نے حماس کے ساتھ ہاتھ ملا لیے۔ ان کی وفات کے صرف تین سال بعد 2007 میں حماس نے فلسطین کے عام انتخابات میں زبردست کامیابی درج کی اور تب سے لے کر آج تک باطل قوتوں کے ہزار بائیکاٹ اور عوام کو حماس سے برگشتہ کرنے کی سازشوں کے باجود ان کی حکومت نہ صرف قائم ہے بلکہ روز بروز مستحکم ہوتی جارہی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس عظیم زندگی سے ہمیں سبق لینے کی توفیق نصیب فرمائے۔

آمین!